نصرت الٰہی: ماقبل مراحل

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ط مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَ زُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ ط اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ ٥ (البقرہ ۲: ۲۱۴) پھر کیا تم لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ یونھی جنت کا داخلہ تمھیں مل جائے گا' حالانکہ ابھی تم پر وہ سب کچھ نہیں گزرا ہے' جو تم سے پہلے ایمان لانے والوں پر گزر چکا ہے؟ ان پر سختیاں گزریں' مصیبتیں آئیں' ہلا مارے گئے' حتیٰ کہ وقت کا رسول اور اس کے ساتھی اہل ایمان چیخ اٹھے کہ اللہ کی مدد کب آئے گی--- اس وقت انھیں تسلی دی گئی کہ ہاں اللہ کی مدد قریب ہے۔

امام' امام الدین اسماعیل ابن کثیر دمشقیؒ

مطلب یہ ہے کہ آزمایش اور امتحان سے پہلے جنت کی آرزوئیں ٹھیک نہیں۔ اگلی تمام امتوں کا بھی امتحان لیا گیا' انھیں بھی بیماریاں اور مصیبتیں پہنچیں' بَاْسَآءُ کے معنی فقیری اور ضَرَّآءُ کے معنی بیماری بھی کیا گیا ہے۔ ان پر دشمنوں کا خوف اس قدر طاری ہوا کہ بیچارے کانپنے لگے۔ ان تمام سخت امتحانوں میں وہ کامیاب ہوئے اور جنت کے وارث بنے۔ صحیح حدیث میں ہے ایک مرتبہ حضرت خبابؓ بن ارت نے کہا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپؐ ہماری امداد کی دعا نہیں کرتے؟ آپؐ نے فرمایا: بس ابھی سے گھبرا اٹھے۔ سنو! تم سے اگلے مُوَحِّدوں کو پکڑ کر ان کے سروں پر آرے رکھ دیے جاتے تھے اور چیر کر ٹھیک دو ٹکڑے کر دیے جاتے تھے لیکن وہ توحید و سنت سے نہ ہٹتے تھے' لوہے کی کنگھیوں سے ان کے گوشت پوست نوچے جاتے تھے لیکن [وہ] دین خدا کو نہیں چھوڑتے تھے۔ قسم خدا کی! اس میرے دین کو تو میرا رب اس قدر پورا کرے گا کہ بلاخوف و خطر صنعاء سے حضرموت تک کا سفر ایک ایک سوار کرنے لگے گا۔ اسے سوائے خدا کے کسی کا خوف نہ ہو گا' البتہ دل میں یہ خیال ہونا اور بات ہے کہ کہیں میری بکریوں پر بھیڑیا نہ پڑے لیکن افسوس تم جلدی کرتے ہو۔

قرآن میں ٹھیک یہی مضمون دوسری جگہ ان الفاظ میں بیان ہوا ہے: الٓمّٓ ٥ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا الخ (العنکبوت ۲۹: ۱-۲) کیا لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ وہ محض ایمان کے اقرار سے ہی چھوڑ دیے

جائیں گے اور ان کی آزمایش نہ ہو گی۔ ہم نے اگلوں کی بھی آزمایش کی۔ سچوں کو اور جھوٹوں کو یقیناً ہم نتھار کر رہیں گے۔ چنانچہ اسی طرح صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی پوری آزمایش یوم الاحزاب کو (یعنی جنگ خندق میں) ہوئی جیسے خود قرآن پاک نے اس کا نقشہ کھینچا ہے۔ فرمان ہے: اِذْ جَآءُوْکُمْ مِّنْ فَوْقِکُمْ الخ (الاحزاب ۳۳: ۱۰) یعنی جب کہ کافروں نے تمھیں اوپر نیچے سے گھیر لیا' جب کہ آنکھیں پتھرا گئیں' دل حلقوم تک آگئے اور خداے تعالیٰ کے ساتھ گمان ہونے لگے۔ اس جگہ مومنوں کی پوری آزمایش ہو گئی اور وہ خوب جھنجھوڑ دیے گئے' جب کہ منافق اور ڈھل مل یقین لوگ کہنے لگے کہ خدا رسول کے وعدے تو غرور کے ہی تھے الخ۔ ہرقل نے جب ابوسفیان سے ان کے کفر کی حالت میں پوچھا تھا کہ تمھاری کوئی لڑائی بھی اس دعوے دار نبوت سے ہوئی ہے؟ ابوسفیان نے کہا: ہاں۔ پوچھا پھر کیا رنگ رہا؟ کہا: کبھی ہم غالب رہے' کبھی وہ غالب رہے۔ تو ہرقل نے کہا: انبیا کی اسی طرح آزمایش ہوتی رہتی ہے لیکن انجام کار کھلا غلبہ انھی کا ہوتا ہے---- اگلے مومنوں نے مع نبیوں کے ایسے وقت میں اللہ تعالیٰ کی مدد طلب کی اور سختی اور تنگی سے نجات چاہی جنھیں جواب ملا کہ امداد خدا بہت ہی نزدیک ہے (تفسیر ابن کثیر' ج ۱' ص ۲۲۴)۔

مولانا محمود الحسنؒ

پہلے مذکور ہوا کہ دشمنوں کے ہاتھ سے انبیا اور ان کی امتوں کو ہمیشہ ایذائیں ہوئیں' تو اب اہل اسلام کو ارشاد ہے کہ کیا تم کو اس بات کی طمع ہے کہ جنت میں داخل ہو جاؤ حالانکہ اگلی امتوں کو جو ایذائیں پیش آئیں وہ تم کو پیش نہیں آئیں کہ ان کو فقر و فاقہ اور مرض اور خوف کفار اس درجے کو پیش آئے کہ مجبور اور عاجز ہو کر نبی اور ان کی امت بول اٹھی کہ دیکھیے اللہ نے جس مدد اور اعانت کا وعدہ فرمایا تھا وہ کب آئے گی' یعنی مقتضاے بشریت پریشانی کی حالت میں مایوسانہ کلمات سرزد ہونے لگے۔ انبیا اور مومنین کا یہ کہنا کچھ شک کی وجہ سے نہ تھا بلکہ بحالت اضطرار مقتضاے بشریت اس کی نوبت آئی' جس میں کوئی ان پر الزام نہیں۔ جب نوبت یہاں تک پہنچی تو رحمت الٰہی متوجہ ہوئی اور ارشاد ہوا کہ ہوشیار ہو جاؤ' اللہ کی مدد آگئی۔ گھبراؤ نہیں' سواے مسلمانو' تکالیف دنیوی سے اور دشمنوں کے غلبے سے گھبراؤ نہیں' تحمل کرو اور ثابت قدم رہو (تفسیر عثمانی' مطبوعہ تاج کمپنی' ص ۵۵)۔

مولانا امین احسن اصلاحیؒ

یہ اس سنت اللہ کی طرف اشارہ ہے جس کی کسوٹی پر ہر وہ جماعت پرکھی جاتی ہے جو اصل حق کی حامل بن کر اٹھتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ منافقین اور کفار کی اس مخالفت اور اس استہزا سے گھبرا نہ جاؤ' ابھی تو اس راہ عشق کی یہ ابتدا ہے' آگے اس سے کہیں کٹھن مقامات آنے ہیں' تمھیں بھی ان سارے مراحل

سے گزرنا ہے جن سے تم سے پہلے اٹھنے والے حاملین حق کو گزرنا پڑا ہے۔ تم سے پہلے جنھوں نے اس راہ میں قدم رکھے ان کو ایسے مصائب و شدائد پیش آئے اور وہ آزمایشوں کے ہاتھوں اس طرح جھنجھوڑ دیے گئے کہ رسول اور اس کے ساتھی سب مَتٰی نَصْرُ اللّٰہِ پکار اٹھے۔

حَتّٰی یَقُوْلَ ہمارے نزدیک حال کے معنی میں ہے اور مقصود اس سے تصویر حال ہے۔ اور مَتٰی نَصْرُ اللّٰہِ کا اسلوب اس فریاد کو ظاہر کرتا ہے جس کی نوعیت امید کے دروازے پر آخری دستک کی ہوتی ہے۔ فرمایا کہ نصرت الٰہی کا دروازہ اسی دستک کی کلید سے کھلتا ہے۔ اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰہِ قَرِیْبٌ

رہرو تشنہ لب نہ گھبرانا اب لیا چشمۂ بقا تو نے

(تدبر قرآن، ج ۱، ص ۵۰۴)

مولانا عبدالماجد دریا بادیؒ

آیت سے یہ مراد نہیں کہ کوئی مومن محض ایمان کی برکت اور فضل خدا سے جنت میں داخل ہی نہ ہو سکے گا جب تک کہ مجاہدات شدیدہ کی منزل سے نہ گزرے۔ بلکہ مراد یہ ہے کہ صحابہؓ جن درجات عالیہ کے طالب تھے، اور بقول مرشد تھانویؒ ہر مومن کو طلب ایسی ہی رکھنی چاہیے، ان درجات عالیہ تک پہنچنے کے لیے عام شرط ان منزلوں سے گزرنے کی ہے۔ باقی نفس مجاہدہ تو ہر مومن کو اپنے درجہ و بساط کے لحاظ سے کرنا ہی ہوتا ہے۔

اَلْبَاْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ یعنی مخالفین کے ہاتھوں انھیں جو مصیبتیں جھیلنا پڑیں۔ دونوں لفظ قریب المعانی ہیں۔ فرق یہ کیا گیا ہے کہ باساء میں راحت و آسایش کے فقدان کا پہلو نمایاں ہے اور ضراء میں واقعی درد و اذیت کا۔ ان آزمایشوں کے تذکرے قدیم صحیفوں میں بھی بکثرت ملتے ہیں۔ مثلاً "صادق پر بہت سی مصیبتیں ہوتی ہیں" (زبور ۳۴:۱۹)۔ "چاندی کے لیے کٹھالی ہے اور سونے کے لیے بھٹی پر خداوند دلوں کو تپاتا ہے" (امثال ۱۷:۳)۔ "ضرور ہے کہ ہم بہت سی مصیبتیں سہ کر خدا کی بادشاہت میں داخل ہوں" (اعمال ۱۴:۲۲)۔

نصر اللّٰہ، یعنی نصرت موعود۔ انبیا و مومنین کا یہ قول حالت اضطرار میں دعا و مناجات کے طور پر تھا، نہ بہ طور اعتراض و شکوہ۔ وعدہ نصرت الٰہی کا تھا، مگر یہ تعین تو نہ تھا کہ کس وقت ہوگی۔ جب ہجوم شدائد ہوتا، تو نصرت غیبی کی ضرورت محسوس کرتے، اور اپنے اجتہاد سے بہ الحاح و زاری پکارتے کہ حضرت، یہی تو وقت دستگیری و نصرت غیبی کے نزول کا ہے (تھانویؒ)۔

آیت میں اشارہ ہے کہ امت محمدیؐ کو بھی ہر قسم کی بلائیں پیش آئیں گی، جیسی کہ اگلی امتوں کو پیش آچکی ہیں۔ اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰہِ قَرِیْبٌ، یہ جواب ان امتوں کو ان کی درخواست کا ملا کرتا۔ اس میں مومنین کو ہمیشہ کے لیے بشارت اور تسلی مل گئی اور اس حقیقت کا بیان آگیا کہ نصرت الٰہی اپنے وقت پر ضرور آکر

رہے گی۔ مجاہدات سے گھبرانا اور بددل نہ ہونا چاہیے۔ صوفیہ نے آیت سے یہ تعلیم بھی اخذ کی ہے کہ حالات مخالف کے ہجوم سے بہ تقاضاے بشریت اضطراب تو کاملین تک کو ہوتا ہے' مگر ساتھ ہی ثابت قدمی اور اتباع احکام کی برکت سے نصرت الٰہی حاصل ہو کر رہتی ہے (تفسیر ماجدی ' مطبوعہ تاج کمپنی' ص ۸۴)۔

سید قطب شہیدؒ

ان الفاظ میں اللہ تعالیٰ نے امت مسلمہ میں سے اولین گروہ (صحابہ کرام) کو مخاطب کیا' انھیں ان سے قبل کی مومن جماعتوں کے تجربات کی طرف متوجہ کیا اور ان پر واضح کیا کہ اللہ تعالیٰ اپنے جن چیدہ بندوں کے ہاتھوں میں اپنا پرچم دیتا ہے اور جن کو زمین میں اپنی امانت' اپنا نظام حیات اور اپنی شریعت سونپتا ہے' ان کی تربیت کے سلسلے میں اس کی سنت' یہی آزمایشوں کی سنت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ خطاب صحابہ کرامؓ کے لیے مخصوص نہیں ہے بلکہ عام اور دائمی خطاب ہے' جس کے مخاطب وہ تمام لوگ ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ اس عظیم کام کے لیے منتخب فرمائے۔

یہ ایک عمیق' بزرگ اور خوف ناک تجربہ ہے۔ رسول کی جانب سے' جس کا تعلق اللہ سے بہت گہرا ہوتا ہے اور اہل ایمان کی جانب سے' جو اللہ پر پختہ یقین رکھتے ہیں' یہ سوال ہوتا ہے: مَتٰی نَصْرُ اللّٰہِ "اللہ کی مدد کب آئے گی!؟" یہ سوال اس بات کی تصویر کشی کرتا ہے کہ آزمایش اتنی شدید تھی کہ وہ دل بھی ہل گئے جو خدا سے جڑے ہوئے تھے۔ یہ الفاظ دیگر آزمایش ناقابل بیان تھی' اتنی شدید کہ جب اس کے تاثرات ایسے دلوں پر پڑتے تو ان سے یہ کرب ناک سوال ابھرتا: مَتٰی نَصْرُ اللّٰہِ "اللہ کی مدد کب آئے گی!؟"

جب دل اس ہلا دینے والی آزمایش پر ثابت قدم رہیں تو اللہ کا فیصلہ نافذ ہو جاتا ہے اور اس کی مدد آ جاتی ہے: اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰہِ قَرِیْبٌ "سنو! اللہ کی مدد قریب ہے!؟"

اللہ کی مدد ان لوگوں کے لیے موجود ہے جو اس کے مستحق ہیں۔ اس کی نصرت کے مستحق صرف وہ لوگ ہیں جو آخر تک ثابت قدم رہیں' جو شدائد و آلام میں ثابت قدمی دکھائیں' جو ہلا ڈالنے والی مصیبتوں کے مقابلے میں چٹان ثابت ہوں' جن کے سر طوفانوں کے آگے نہ جھکیں' جنھیں اس بات کا یقین ہو کہ مدد صرف اللہ کی مدد ہے اور وہ اس وقت آتی ہے جب اللہ چاہتا ہے' اور جب آزمایش اپنی انتہا کو پہنچ جاتی ہے۔ وہ صرف اللہ کی نصرت کے منتظر ہوتے ہیں' کسی اور حل کے نہیں اور نہ کسی اور مدد کے' جو اللہ کی طرف سے نہ آئے۔ حقیقت یہ ہے کہ مدد اور نصرت اللہ ہی کی طرف سے ہے۔

اس سب کے نتیجے میں اہل ایمان جنت میں داخل ہوتے ہیں۔ وہ جہاد' آزمایش' صبر و ثبات' اللہ کے لیے یکسوئی و اخلاص' صرف اللہ کے تصور اور اس کے سوا ہر شے اور ہر شخصیت سے صرف نظر کے بعد جنت کے مستحق و سزاوار ہوتے ہیں۔

کشاکش اور اس میں صبر و استقامت سے نفوس کو قوت و رفعت ملتی ہے۔ مصائب و آلام کی کٹھالی میں وہ تپ تپ کر پاک صاف ہوتے اور ان کا جوہر روشن و مصفٰی ہو جاتا ہے۔ اس سے ان کے عقیدے میں گہرائی' قوت اور زندگی پیدا ہوتی ہے' یہاں تک کہ اس کی آب و تاب سے مخالفوں اور دشمنوں کی نظریں خیرہ ہو جاتی ہیں اور وہ اللہ کے دین میں فوج در فوج داخل ہونے لگتے ہیں--- جیسا کہ واقع ہوا اور جیسا کہ ہر حق معاملے میں ہوتا ہے۔ ابتدا میں اہل حق ہر طرح کے حالات سے دوچار ہوتے ہیں' یہاں تک کہ جب وہ آزمایش میں ثابت قدم رہتے ہیں تو ان سے جنگ کرنے والے خود ان کے دائرے میں آ جاتے ہیں اور ان کے بدترین دشمن ان کے معاون و مددگار بن جاتے ہیں۔

اس کے علاوہ ایک اور چیز جو حقیقت کے اعتبار سے اس سے بھی بڑھ کر ہے وہ یہ ہے کہ دعوت حق کے حاملین کی ارواح زمین کی تمام قوتوں اور اس کے تمام شرور و فتن سے بلند ہو جاتی ہیں۔ وہ سہولت پسندی و راحت طلبی ہی نہیں' آخرکار خود زندگی کی حرص سے آزاد ہو جاتی ہیں۔ یہ آزادی کمائی ہے پوری انسانیت کے لیے۔ یہ کمائی ہے ان ارواح کے لیے' جو اس تک دنیا سے بے نیازی کی راہ سے پہنچتی ہیں۔ یہ کمائی ان تمام مصائب و آلام اور شدائد و مشکلات سے--- جن سے اہل ایمان' جو اللہ کے پرچم' اس کی امانت' اس کے دین اور اس کی شریعت کے حامل ہیں' دوچار ہوتے ہیں--- زیادہ وزنی ہے۔

یہ آزادی آخرکار انسان کو جنت کا اہل بناتی ہے۔ درحقیقت یہی جنت کا راستہ ہے!

وہ راستہ کیا ہے؟ ایمان و جہاد' ابتلا و آزمایش' صبر و ثبات اور صرف اللہ کی طرف توجہ' پھر اللہ کی مدد آتی ہے۔ پھر جنت اور اس کی نعمتیں استقبال کرتی ہیں (**فی ظلال القرآن**' ج ۱' ترجمہ سید حامد علی' ص ۵۳۳)۔

مفتی محمد شفیعؒ

اس آیت میں چند باتیں قابل غور ہیں:

اول یہ کہ اس آیت سے بہ ظاہر معلوم ہوتا ہے کہ بغیر مشقت و محنت کے اور بغیر مصائب و آفات میں مبتلا ہوئے کوئی شخص جنت میں نہ جائے گا۔ حالانکہ ارشادات قرآنی اور ارشادات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ بہت سے گناہ گار محض اللہ تعالیٰ کے لطف و کرم اور مغفرت سے جنت میں داخل ہوں گے' ان پر کوئی مشقت بھی نہ ہوگی۔ وجہ یہ ہے کہ مشقت و محنت کے درجات مختلف ہیں۔ ادنیٰ درجہ نفس و شیطان سے مزاحمت کر کے یا دین حق کے مخالفین کے ساتھ مخالفت کر کے اپنے عقائد کا درست کرنا ہے اور یہ ہر مومن کو حاصل ہے۔ آگے اوسط اور اعلیٰ درجات ہیں۔ جس درجے کی محنت و مشقت ہوگی اسی درجے کا دخول جنت ہوگا۔ اس طرح محنت و مشقت سے خالی کوئی نہ رہا۔ ایک حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اَشَدُّ النَّاسِ بَلَاءً اَلْاَنْبِیَاءُ ثُمَّ الْاَمْثَلُ فَالْاَمْثَلُ ' سب سے زیادہ سخت بلائیں اور

مصیبتیں انبیا علیہم السلام کو پہنچتی ہیں، اُن کے بعد جو اُن کے قریب تر ہیں۔

دوسری بات یہاں قابل نظریہ ہے کہ انبیا علیہم السلام اور ان کے ساتھیوں کا یہ عرض کرنا کہ اللہ تعالیٰ کی مدد کب آئے گی کسی شک و شبہ کی وجہ سے نہ تھا جو اُن کی شان کے خلاف ہے، بلکہ اس سوال کا منشا یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اگرچہ مدد کا وعدہ فرمایا ہے، مگر اس کا وقت اور مقام متعین نہیں فرمایا۔ اس لیے حالت اضطرار میں ایسے الفاظ عرض کرنے کا مطلب یہ تھا کہ مدد جلد بھیجی جائے۔ ایسی دعا کرنا توکل یا منصب نبوت کے منافی نہیں، بلکہ حق تعالیٰ اپنے بندوں کی الحاح و زاری کو پسند فرماتے ہیں، اس لیے انبیا اور صلحاے امت اس کے سب سے زیادہ مستحق ہیں (معارف القرآن، ج ۱، ص ۵۱۰)۔

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی

ہمارے جو وعدے دنیا اور آخرت کی کامرانیوں کے لیے ہیں، کوئی شخص مجرد زبانی دعواے ایمان کر کے ان کا مستحق نہیں ہو سکتا، بلکہ ہر مدعی کو لازماً آزمایشوں کی بھٹی سے گزرنا ہو گا تاکہ وہ اپنے دعوے کی صلاحیت کا ثبوت دے۔ ہماری جنت اِتنی سستی نہیں ہے اور نہ دنیا ہی میں ہماری خاص عنایات ایسی ارزاں ہیں کہ تم بس زبان سے ہم پر ایمان لانے کا اعلان کرو اور ہم وہ سب کچھ تمھیں بخش دیں۔ ان کے لیے تو امتحان شرط ہے۔ ہماری خاطر مشقتیں اٹھانی ہوں گی۔ جان و مال کا زیاں برداشت کرنا ہو گا۔ طرح طرح کی سختیاں جھیلنی ہوں گی۔ خطرات، مصائب اور مشکلات کا مقابلہ کرنا ہو گا۔ خوف سے بھی آزمائے جاؤ گے اور لالچ سے بھی۔ ہر چیز جسے عزیز و محبوب رکھتے ہو، ہماری رضا پر اسے قربان کرنا پڑے گا، اور ہر تکلیف جو تمھیں ناگوار ہے، ہمارے لیے برداشت کرنی ہو گی۔ تب کہیں یہ بات کھلے گی کہ ہمیں ماننے کا جو دعویٰ تم نے کیا تھا وہ سچا تھا یا جھوٹا۔ یہ بات قرآن مجید میں ہر اس مقام پر کہی گئی ہے جہاں مصائب و شدائد کے ہجوم میں مسلمانوں پر گھبراہٹ کا عالم طاری ہوا ہے۔ ہجرت کے بعد مدینے کی ابتدائی زندگی میں جب معاشی مشکلات، بیرونی خطرات اور یہود و منافقین کی داخلی شرارتوں نے اہل ایمان کو سخت پریشان کر رکھا تھا، اس وقت فرمایا:

> کیا تم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ تم جنت میں داخل ہو جاؤ گے حالانکہ ابھی تم پر وہ حالات نہیں گزرے جو تم سے پہلے گزرے ہوئے (اہل ایمان) پر گزر چکے ہیں؟ ان پر سختیاں اور تکلیفیں آئیں اور وہ ہلا مارے گئے۔ یہاں تک کہ رسول اور اس کے ساتھ ایمان لانے والے لوگ پکار اٹھے کہ اللہ کی مدد کب آئے گی (تب انھیں مژدہ سنایا گیا کہ) خبردار رہو، اللہ کی مدد قریب ہے۔ البقرہ ۲: ۲۱۴ (تفہیم القرآن، ج ۳، ص ۶۷۵)۔